

## نقدِ خبر واحد کے حنفی اصول اور ان کا موسیٰ سین فقہ حنفی کی طرف انتساب: ایک تنقیدی مطالعہ

مبشر حسین ﴿

مسلمانوں میں قرآن و سنت کے بارے میں ہمیشہ سے یہ اتفاق رائے رہا ہے کہ یہ دونوں مصادر شریعت ہیں، تاہم قرآن مجید مکمل تواتر کے ساتھ نقل و روایت ہوا ہے جب کہ سنت (احادیث) کا پورا ذخیرہ متواتر نہیں ہے، بلکہ زیادہ حصہ اخبار آحاد پر مشتمل ہے اور اس میں قبولیت و عدم قبولیت کے معیار یا اصول و ضوابط میں اہل علم کا اختلاف رائے رہا ہے۔ دیگر فقهاء محدثین کی طرح حنفی فقہانے بھی خبر واحد کے رد و قبول کے کچھ اصول قائم کیے ہیں، جن کا بڑا حصہ موسیٰ سین (یعنی امام ابو حنیفہ اور صاحبین) سے صراحت کے ساتھ منقول ہے، تاہم بعض اصولوں (جن میں انہم موسیٰ سین سے صراحت نہیں تھی اور متاخر حنفی اصولیوں نے ان کا استخراج کیا)، کے موسیٰ سین کی طرف انتساب میں اختلاف بھی ہے۔ زیر نظر مقالے میں ان اصولوں اور ان کے انتساب کی نوعیت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

### محمد شین کے نزدیک خبر واحد کی اقسام

محمد شین کی اصطلاح میں خبر واحد / سنت الاحادیث سے مراد ہر وہ روایت ہے جو متواتر نہ ہو جیسا کہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”وَأَمَا خُبْرُ الْوَاحِدِ فَهُوَ مَا لَمْ يُوجَدْ فِيهِ شُرُوطُ الْمُتَوَاتِرِ سَوَاءَ كَانَ الرَّاوِيُّ لَهُ وَاحِدًا أَوْ أَكْثَرَ“ (یعنی خبر واحد (اصطلاح حدیث کی رو سے) وہ روایت ہے جس میں متواتر کی شرائط مجمع نہ ہوں، قطع نظر اس سے کہ اس کا راوی ایک ہے یا ایک سے زیادہ)۔<sup>(۱)</sup>

اس تعریف کی رو سے مشہور، مستقیض، عزیز اور غریب بھی خبر واحد میں شمار کی جائیں گی۔ حنفیہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء محدثین کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے متواتر اور اس کے بعد ان چاروں قسموں کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ”وَكُلُّهَا أَيِ الْأَقْسَامُ الْأَرْبَعَةُ المُذَكُورَةُ سُوَى

﴿ استاذ پروفیسر، صدر شعبہ سیرت، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔ (mubashir.hussain@iiu.edu.pk) ۔

- جمال الدین القاسمی، قواعد التحذیث من فنون مصطلح الحديث (مشق: مكتب النشر العربي، ۱۹۳۵ء، ۱۲۹)۔

الأول... وهو المتواتر... آحاد ويقال لكل منها خبر واحد.“<sup>(۲)</sup> (متواتر کے علاوہ مذکورہ بالا چاروں اقسام کا تعلق ‘آحاد’ کے ساتھ ہے اور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے)۔ ذیل میں ان چاروں اقسام کی تعریف اور ان میں باہمی فرق پر رoshni ڈالی جاتی ہے۔

### ا۔ خبر مشہور / سنت مشہورہ

محمد بنین کی اصطلاح میں خبر مشہور ر سنت مشہورہ سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند کے ہر طبقے میں دو سے زیادہ روایی پائے جائیں۔ البتہ مشہور کی اصطلاح (عامۃ الناس کے ہاں) ایسی روایت کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے جو زبان زد عالم ہو، قطع نظر اس سے کہ اس کی سند ایک ہے یا ایک سے زیادہ، یا وہ بالکل ہی بے سند ہے۔<sup>(۳)</sup>

### ب۔ خبر مستفیض

مستفیض کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ مشہور ہی کے مترادف اصطلاح ہے، البتہ بعض کے نزدیک ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مستفیض وہ روایت ہے جس میں روایوں کی تعداد ابتداء سے انتہا سے سند تک یکساں ہو جب کہ مشہور اس سے عام ہے، باس معنی کہ اس میں ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔<sup>(۴)</sup>

### ج۔ خبر عزیز

عزیز سے مراد وہ روایت ہے جس میں (ہر طبقے میں) کم از کم دو روایی دو روایوں سے روایت کریں۔<sup>(۵)</sup>

### د۔ خبر غریب

غیریب سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند میں کسی جگہ ایک روایی رہ گیا ہو۔<sup>(۶)</sup>

-۲- احمد بن علی بن محمد ابن حجر، نزهة النظر شرح نخبة الفکر في مصطلح الأثر (ریاض: مطبعة سفیر، ۱۴۲۲ھ)،

-۳- ۵۷

-۴- نفس مصدر، ۲۳۔

-۵- نفس مصدر۔

-۶- نفس مصدر۔

-۷- نفس مصدر، ۲۵۔

## فقہاء حفیہ کے نزدیک نوعیتِ ثبوت کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

فقہاء حفیہ نے اپنے موسسین فقہ کی آراء و فتاویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث کو نوعیتِ ثبوت کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، یعنی متواتر، مشہور اور خبر واحد۔

- ۱۔ متواتر سے مراد وہ حدیث ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک ہر طبقے میں بے شمار راوی پائے جائیں اور ان کی کثرت، عدالت اور ایک دوسرے سے دوری کی وجہ سے ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہ ہو۔
  - ۲۔ اگر پہلے طبقے میں راویوں کی کثرت نہ رہی ہو مگر بعد میں دوسرے طبقے سے آخری طبقے تک کثرت اور وہ بقیہ شرائط جو متواتر کی ہیں، پائی جائیں تو پھر ایسی حدیث کو مشہور کہا جاتا ہے۔
  - ۳۔ احاد سے مراد وہ روایات ہیں جو نہ متواتر ہوں اور نہ مشہور ہوں۔ یعنی جسے روایت کرنے والا ایک یاد دیادو سے کچھ زائد راوی ہوں اور اس میں متواتر یا مشہور کی شرائط جمع نہ ہوں۔<sup>(۷)</sup>
- مذکورہ بالا اقسام میں سے بالعوم خبر واحد ہی مختلف پہلوؤں سے محل بحث رہی ہے جن میں سے دو پہلو بنیادی نوعیت کے ہیں:
- ۱۔ خبر واحد کی جیت
  - ۲۔ خبر واحد کے قبول و اثبات کے اصول و ضابطے

## ۱۔ خبر واحد کی جیت

جہاں تک خبر واحد کی جیت کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلے میں تین نقطہ نظر معروف ہیں:

- ۱۔ ایک یہ کہ خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے تو وہ عقائد و احکام دونوں میں جست ہے۔ جمہور محدثین،<sup>(۸)</sup> ظاہریہ<sup>(۹)</sup> اور امام شافعی<sup>(۱۰)</sup> کا نقطہ نظر یہی بیان کیا جاتا ہے۔

- 
- ۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: علی بن محمد بن حسین البزدی، کنز الوصول إلى معرفة الأصول، مطبوع بر حاشیة عبد العزیز بخاری، کشف الأسرار، (کراچی: صدف پبلشرز، س، ن)، ۲: ۲۸۸۔
  - ۸۔ امام بخاری<sup>(۱۱)</sup> نے اس سلسلے میں اپنی الجامع الصحيح میں 'اخبار الآحاد' کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ۲۲ حدیثیں اور صحابہ و تابعین کے ۵۸ آثار (مع مررات) نقل کیے ہیں۔
  - ۹۔ فقہاء ظاہریہ کے نقطہ نظر کے لیے دیکھیے: ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحكام (قاہرہ: دارالحدیث، ۱۴۰۳ھ)۔
  - ۱۰۔ شافعی نقطہ نظر کے لیے دیکھیے: محمد بن ادريس الشافعی، الرسالة (مصر: مطبعة مصطفیٰ الباي الحلبي، ۱۹۶۰ء، ۱۹۰۱ء؛ محمد بن عمر بن الحسن الرازی، المحسن فی علم أصول الفقه (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۲ء)، ۳: ۸۹۔

- دوسری یہ کہ خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے تو وہ احکام میں توجہ ہے مگر عقائد میں ججت نہیں۔  
یہ نقطہ نظر حفیہ سمیت جمہور اصولیوں اور فقہاء کی طرف منسوب ہے۔<sup>(۱۱)</sup>
- تیسرا یہ کہ خبر واحد نہ عقائد میں ججت ہے اور نہ احکام میں۔ یہ نقطہ نظر بعض رافضیہ، شیعہ اور معتزلہ  
وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔<sup>(۱۲)</sup>
- یہاں رقم الحروف موضوع کے تقاضے کے تحت اس بحث کے دوسرے پہلو یعنی ”خبر واحد کے قبول و اثبات  
کے اصول / ضابطے“ کے حوالے سے کچھ اہم نکات کو زیر بحث لائے گا۔

## ۲۔ خبر واحد کے قبول و اثبات کے اصول / ضابطے

امام شافعی اور ان کے بعد کے جمہور محدثین، جنہوں نے زیر بحث مسئلے کی بعض جھتوں میں حنفی نقطہ نظر سے  
اختلاف کیا ہے، کے منانچ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کے ہاں خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ  
اس میں بنیادی طور پر درج ذیل پانچ شرائط پائی جائیں:

- ۱۔ اس کا ہر راوی عادل ہو
- ۲۔ ضابط ہو
- ۳۔ سند متصل ہو
- ۴۔ روایت شاذ نہ ہو
- ۵۔ روایت علت سے محفوظ ہو۔<sup>(۱۳)</sup>

۱۱۔ دیکھیے: محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، (م ۴۹۰ھ) أصول السرخسی (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۷ء)، ۱:

۱۲۔ علی بن محمد الامدی، الإحکام فی أصول الأحكام، (بیروت: دار الكتاب العربي، ۱۴۰۲ھ)، ۲، ۳۳۳-۳۳۴؛

۱۳۔ امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، المستصفی من علم الأصول (بیروت: دار الكتب العلمية، س، ن)، ۹۳-۹۵۔

۱۴۔ دیکھیے: ابن حزم، مصدر سابق، ۱: ۲۷۷-۲۷۸۔ آمدی، مصدر سابق، ۱: ۱۳۳-۱۳۴۔

۱۵۔ دیکھیے: عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، تدریب الراوی (لاہور: دار نشر الکتب الإسلامية، س، ن)، ۲۳-۲۴۔

۱۶۔ یہ شرائط اپنی عمومی حیثیت میں اکثر علام (بہ شمول فقہاء محدثین) کے ہاں معتبر تسلیم کی گئی ہیں، تاہم ان کی تفصیل میں  
کچھ جزوی / ضمنی اختلافات بھی ہیں، مثلاً جیسے خیر القرون کے مجہول راوی کو محمد بن تصور عدالت کی رو سے غیر معتبر قرار

## عراتی فقہا کے نزدیک خبر واحد<sup>(۱۲)</sup> کی قبولیت کے اصول

خبر واحد کے رد و قبول کے سلسلے میں عراتی فقہا کی طرف کچھ اصول منسوب کیے جاتے ہیں۔<sup>(۱۵)</sup> یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ان میں سے چند اہم اور مختلف فی اصولوں کا ذکر کیا جائے گا۔

uratī fiqha ke nazdik ḥab̄ waḥid<sup>(۱۲)</sup> ki qబولیت کے اصول

شرائط پائی جائیں:

- ۱ عقل
- ۲ اسلام
- ۳ عدالت
- ۴ ضبط<sup>(۱۶)</sup>

اس کے علاوہ خبر واحد کی صحت کے لیے انہوں نے کچھ اور شرائط بھی لگائی ہیں، مثلاً یہ کہ اس روایت میں انقطاع معنوی کی کوئی صورت نہ ہو (یعنی روایت معنًا منقطع نہ ہو)۔ اور واضح رہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک انقطاع کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: انقطاع صوری اور انقطاع معنوی۔ انقطاع صوری سے مراد ان کے نزدیک وہ روایت ہے جس میں صحابی کے علاوہ کوئی اور راوی (جس کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں)، وہ نبی کریم ﷺ کی طرف کسی روایت کی نسبت کرے۔ اس صورت کو بعد کے حنفی اصولیوں کے ہاں مرسل کی اصطلاح سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔<sup>(۱۷)</sup>

دیتے ہوئے اس کی روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں جب کہ فقہاء حنفیہ کی رائے اس کے بر عکس ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں ”محبوب راوی کی روایت“ کے ضمن میں دی گئی تفصیل سے واضح ہو گا۔

-۱۳ واضح رہے کہ حنفیہ کے نزدیک دیگر مکاتب فکر کے بر عکس احادیث سے مراد وہ روایات ہیں جو نہ متواتر ہوں اور نہ مشہور۔ (عبد العزیز بخاری، کشف، ۲۸۸:۲)

-۱۵ جن اصولوں کا یہاں تذکرہ کیا جائے گا، متاخر حنفی اصولیوں نے امام ابو حنفیہ کی طرف ان کا انتساب کیا ہے، لیکن کیا یہ انتساب (کلی یا جزوی طور پر) درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں محققین کی مختلف آراء ہیں جنہیں آگے زیر بحث لا یا جائے گا۔

-۱۶ السرخی، اصول، ۳۵۲:۱

-۱۷ نفس مصدر، ۳۷۰۔ لیکن اس انقطاع صوری کو وہ روایت کے لیے عیب نہیں سمجھتے، جیسا کہ آگے مرسل کے عنوان کے تحت دی گئی تفصیل سے واضح ہو گا۔

انقطاع معنوی کی مزید دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک کا تعلق راوی سے متعلقہ شرائط (یعنی فتن، غفلت، خواہش پرستی وغیرہ) کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق خبر واحد کا دیگر ادله سے متعارض ہونے کے ساتھ ہے اور اس کی مزید درج ذیل چار صورتیں ہیں جن میں خبر واحد کو معنیًّا منقطع قرار دیتے ہوئے رد کر دیا جاتا ہے:

- ۱- اگر خبر واحد، کتاب اللہ سے متعارض ہو۔
- ۲- اگر خبر واحد، سنت مشہورہ سے متعارض ہو۔
- ۳- اگر خبر واحد، عموم بلوی سے متعارض ہو۔
- ۴- اگر اس خبر واحد سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو۔<sup>(۱۸)</sup>

علاوه ازین ان فقہا کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کی ایک شرط یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ روایت مطعون نہ ہو۔ مطعون روایت کے بارے میں بزدوی عَلَيْهِ السَّلَامُ فرماتے ہیں کہ ”مطعون روایت وہ ہوتی ہے جسے سلف نے رد کر دیا ہو اور قبول نہ کیا ہو۔ اس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں طعن خود راوی کی طرف سے ہو اور دوسری وہ جس میں طعن غیر راوی کی طرف سے ہو۔“<sup>(۱۹)</sup>

اس کے علاوہ بعض حنفی اصولیوں نے ایک قاعدہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایت قیاس سے متعارض نہ ہو، ورنہ اس کے راوی کی بنیاد پر اس روایت کا فیصلہ کیا جائے گا، یعنی اگر اس کا راوی فقیہ ہے تو روایت کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی اور راوی اگر قلیل الفقه ہے تو اس کی روایت (خبر واحد) کو رد کر دیا جائے گا۔<sup>(۲۰)</sup>

## مذکورہ اصولوں کا موسمین کی طرف انتساب کا مسئلہ

گذشتہ سطور میں متاخر حنفی اصولی مثلاً بزدوی اور سرخی وغیرہ کے حوالے سے اخبار آحاد کے رد و قبول کے جن اصولوں کی نشان دہی کی گئی ہے، موسمین فقہ حنفی کی طرف ان اصولوں کے انتساب کے حوالے سے بعض اہل علم نے شک و شبہ کا اظہار بھی کیا ہے۔ بر صغیر میں اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے ان اصولوں کی استخراجی

-۱۸- نفس مصدر، ۳۷۹-۳۷۳

-۱۹- دیکھیے: البیز دوی، مصدر سابق، بخاری، کشف، ۲: ۳۸۳- ۳۹۰۔ یہ دراصل ضمنی تفصیلات ہیں اس اصول کی جو انقطاع

معنوی کے حوالے سے اوپر شمار نمبر چار کے تحت ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اگلے صفحات میں کی گئی بحث سے واضح ہو گا۔

-۲۰- آئندہ سطور میں اس قاعدے کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

حیثیت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور صاحبین سے ان اصولوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،<sup>(۲۱)</sup> لیکن بعض معاصر محققین شاہ صاحب کی اس رائے سے کلی طور پر اتفاق نہیں کرتے ہوئے۔<sup>(۲۲)</sup> مشہور محقق ابو زہرہ نے شاہ صاحب کی اس رائے کا جائزہ لیتے ہوئے اس سلسلے میں درج ذیل تین اہم نکات کی طرف اشارہ کیا ہے:

- ۱- امام ابو حنیفہ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے اگرچہ تفصیلی طور پر استنباط احکام کے اصول منقول نہیں ہیں، مگر یہ بات قطعی ہے کہ استنباط احکام کے وقت ان کے پیش نظر لازماً کچھ اصول رہے ہیں، جنہیں انھوں نے مدون نہیں کیا جیسا کہ فروعیات کو مدون نہیں کیا..... اور انھیں مدون نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر کوئی اصول نہیں تھے۔
- ۲- جن علماء، مثلاً بزدوي عَلَيْهِ السَّلَامُ وغیرہ نے ان اصولوں کو مدون کیا ہے، انھوں نے ان اصولوں کی نسبت اپنے ائمہ کی طرف کرتے ہوئے ان ائمہ ہی کے اقوال و فروعیات کو بنیاد بنا�ا ہے۔ اور وہ بعض اوقات کسی اصول کی صحت نسبت واضح کرنے کے لیے ایسے اقوال و فروعیات کی

-۲۱- احمد بن عبد الرحيم شاہ ولی اللہ (م ۶۷۱ھ)، الانصاف في بيان أسباب الاختلاف (بیروت: دار النفائس، ۱۴۰۳ھ)، ۸۸-۸۹؛ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغة، (بیروت: دار إحياء العلوم، ۱۹۹۲ء)، ۷-۳۳۔ متعلقہ عبارت یہ

ہے: واعلم أنى وجدت أكثرهم يزعمون أن بناء الخلاف بين أبي حنيفة والشافعي رحمهما الله على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدوي ونحوه وإنما الحق أن أكثرهما أصول مخرجة على قولهم وعندی أن المسألة القائلة بأن الخاص مبين ولا يلحقه البيان وأن الزيادة نسخ وأن العام قطعي كالخاص وأن لا ترجيح بكثرة الرواة وأنه لا يجب العلم بحدث غير الفقيه إذا انسد به باب الرأي وأن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف أصلاً وأن موجب الأمر هو الوجوب البة وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة وأنه لا تصح بها رواية عن أبي حنيفة وصاحبيه وأنه ليست المحافظة عليها والتکلف في جواب ما يرد عليها من صنائع المتقدمين في استنباطهم كما يفعله البزدوي وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يرد عليه)

-۲۲- دیکھیے: محمد زاہد الکوثری، حسن التقاضی فی سیرة الإمام أبي یوسف القاضی، (کراچی: ناشر ندارد، ۱۴۰۳ھ)، ۹۸۔

نشان دہی کر دیتے ہیں اور جہاں وہ اپنے ائمہ کی فروعیات سے استنباط نہیں کرتے، وہاں وہ اصول یا قاعدہ مذہب حنفی کے دیگر فقہاء، مثلاً جیسے کہ خی عَنْهُ اللَّهِ تَعَالَى ہیں، کی ذاتی رائے سے ماخوذ ہوتا ہے۔

۳۔ ابوحنیفہ عَنْهُ اللَّهِ تَعَالَى سے اگرچہ استنباط احکام کے اصول و قواعد تفصیلًا منقول نہیں ہیں، تاہم آپ سے استدلال کے بعض عمومی قواعد ضرور نقل ہوئے ہیں، چنانچہ آپ کے مناقب وغیرہ پر لکھنے والوں نے ان مصادر و ادله کا ذکر کیا ہے جن پر آپ نے اپنی فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔<sup>(۲۳)</sup>

راقم المعرف کی اس سلسلے میں رائے یہ ہے کہ اصول حدیث کے باب میں خبر واحد کے رد و قبول کے حوالے سے متاخر حنفی اصولیوں نے جن اصولوں کا اپنے مؤسین کی طرف انتساب کیا ہے، وہ انتساب بنیاد اور اغلبیت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے؛ اس لیے کہ مؤسین نے اگرچہ فتحی اجتہادات میں اپنے تمام تر اصولوں کو مرتب و مدون شکل میں پیش نہیں کیا، لیکن ان کے اجتہادات میں کارفرمایہ اصول ان کے پیش نظر ضرور ہوتے تھے، جن کا بعض جگہ وہ انہمار بھی کر دیتے تھے (جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی مثالیں ذکر کی جائیں گی)، لیکن جہاں وہ اس کا اظہار نہیں کر سکے، وہاں ان کے اقوال و آراء اور طرز استدلال سے ان اصولوں کا استخراج بھی کیا گیا جو یقیناً ایک اجتہادی کوشش تھی اور متاخر حنفی اصولیوں نے یہ کوشش نہایت دیانت داری سے انجام دی ہے، تاہم اس کوشش میں بعض جگہ ان سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، اور عملی طور پر خود حنفی اصولیوں کے ہاں بھی اس حوالے سے اختلافات موجود ہیں، جن کی آئندہ صفحات میں نشان دہی بھی کی جائے گی۔

عراتی فقہا (یعنی مؤسین فقہ حنفی) نے خبر واحد کے رد و قبول کے سلسلے میں قائم کردہ اپنے اصولوں کو بھروسہ استعمال کیا اور وہ روایات جوان اصولوں پر پورا نہ اترتیں، انھیں وہ مردود قرار دیتے تھے، خواہ دیگر اہل علم (مثلاً ان کے معاصر حجازی، یا شامی عالمیام شافعی اور ان کے بعد کے محدثین) کے قائم کردہ معیار کے مطابق وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ قرار پاتی ہوں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کے مخالفین نے ان پر اعتراضات بھی کیے، جیسا کہ ابن عبد البر اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں: ”کثیر من أهل الحديث استجادوا الطعن على أبي حنيفة لرده كثيرا من أخبار الأحاديث العدول لأنه كان يذهب في ذلك إلى عرضها على ما اجتمع عليه من

الأحاديث ومعاني القرآن فما شذ عن ذلك، رده وسماه شاذًا۔”<sup>(۲۳)</sup> (بہت سے محدثین نے امام ابوحنیفہ پر اس لیے طعن جائز سمجھا کہ آپ نے عادل راویوں سے مروی بہت سی احادیث آحاد کو رد کیا ہے۔ انھیں رد کرنے کی وجہ [آپ کے پیش نظر] یہ تھی کہ آپ انھیں دیگر متنق علیہ احادیث اور معانی قرآن پر پیش کرتے اور جو روایت ان کے مقابلے میں شاذ ہوتی اسے آپ رد کر دیتے اور شاذ کی اصطلاح سے موسوم کرتے۔)

### اہم اور مختلف فیہ اصولوں کا تجزیہ

عراتی فقهاء کے قول روایت کے سلسلے میں بعض اصول تو ایسے تھے جن سے دیگر اہل علم نے بھی اتفاق کیا (جیسے راوی کا مسلمان اور عادل و ضابط اور بالغ ہونا، وغیرہ)، مگر بعض اصول ایسے تھے جن سے دیگر اہل علم باخصوص بعد کے محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ یہ مختلف فیہ اصول دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنھیں عراقیوں نے روایات کی قبولیت کے لیے استعمال کیا ہے جیسے یہ اصول کہ ”مجہول راوی کی روایت مقبول ہے بشرطے کہ اس سے بیان کرنے والا ثقہ ہو۔“<sup>(۲۴)</sup> اسی طرح یہ اصول کہ ”مرسل (منقطع) روایت بالاتفاق مقبول ہے بشرطے کہ اس کا راوی قرون ثلاثہ سے تعلق رکھتا ہو۔“<sup>(۲۵)</sup>

دوسری قسم کے مختلف فیہ اصول وہ تھے جنھیں عراقیوں نے روایت کے مردود ہونے کا معیار قرار دیا اور انھیں اصولوں کی وجہ سے حافظ ابن عبد البر کے بہ قول وہ بعض حلقوں میں مورد الزام بھی ٹھہرائے گئے۔<sup>(۲۶)</sup>

۲۳۔ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر، الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء (بیروت: دار الكتب العلمية، س، ان)، ۱۳۹:۱۔ نیز: ابراہیم بن موسی الشاطئی، المواقفات في أصول الشريعة (قاهرہ: دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء)،

۲۴:۳۔ اسی طرح شبیہ نے امام ابوحنیفہ کی طرف ان اصولوں کے استعمال کی نسبت کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے: ”فن حدیث میں سب سے بڑا کام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید میں بردا۔“ شبی نعماں، سیرۃ النعمان (کراچی: مدینہ پبلیکیشنز، س، ان)، ۱۹۰۔

۲۵۔ صاحبین کی کتابوں میں اس کی تائید میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۲۶۔ السرخسی، اصول، ۳۶۳-۱۱۳:۲

۲۷۔ ابن عبد البر، الانتقاء، ۱۳۹:۱۔ بعض معاصر اہل علم (مثلاً شبی نعماں، تقی امی وغیرہ) نے اسے ”اصول درایت“ اور بعض (مثلاً رفت فوزی (مؤلف: توثیق السنۃ) وغیرہ) نے ”متن کی توثیق کے اصول“ سے تعبیر کیا ہے۔ ان اصولوں کی تفصیل آگے عنوان نمبر ۳ کے تحت ملاحظہ کریں۔

موضوع کی مناسبت سے آئندہ سطور میں صرف انہی چند اہم اور مختلف فیہ اصولوں کو اختصار کے ساتھ زیر بحث لایا جائے گا اور صاحبین کی کتابوں کی روشنی میں ان اصولوں کی صحت انتساب کے حوالے سے بات کی جائے گی۔ راقم کی تحقیق کے مطابق خبر واحد سے متعلق درج ذیل اصولوں کی امام ابوحنینہ اور صاحبین کی طرف نسبت

ثابت ہے:

- ۱- مرسل روایت کا ججت ہونا
- ۲- خیر القرون کے مجہول راوی کی روایت معتبر ہونا (چند شرائع کے ساتھ)
- ۳- خبر واحد معناً منقطع ہو (یعنی وہ دیگر ادله سے متعارض ہو) تو اس کا شاذ یعنی ضعیف ہونا۔ (اس اصول کے تحت درج ذیل اور ضمنی اصول بھی ہیں: یعنی خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ: ۱۔ کتاب اللہ سے متعارض نہ ہو، ۲۔ نہ ہی سنت مشہورہ سے متعارض ہو، ۳۔ نہ ہی عموم بلوئی کی قبل سے ہو، ۴۔ اور نہ ہی اس خبر واحد کی صورت یہ ہو کہ اس سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو یا صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو)۔

مذکورہ اصولوں کے علاوہ اس ضمن میں کچھ اور اصول بھی بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً:

- ۱- قیاس سے متعارض روایت کاراوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت مردود ہے۔
- ۲- خبر واحد اگر حدود کے باب سے ہے، تو وہ قابل قبول نہیں۔
- ۳- خبر واحد اگر موجودات عقل کے منافی ہے، تو وہ قابل قبول نہیں۔

ان اصولوں کے بارے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ ان کا انتساب متاخر حنفی اصولیوں کی استخراجی کوششوں پر مبنی ہے اور اس میں سے بعض کی نسبت تو صریح طور پر غلط معلوم ہوتی ہے، بالخصوص یہ اصول کہ ”قیاس سے متعارض روایت کاراوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت مردود ہے۔“<sup>(۲۸)</sup>

۲۸- ان اصولوں کے ضمن میں امام کرخی نے غلوکرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک یہ اصول بھی فتنی میں متعارف کرانے کی کوشش کی کہ جو آیت یادیث (نص) ہمارے اصحاب (ائمه حنفی) کے اقوال کے منافی ہو گی اسے نفع پر محظوظ کیا جائے گا، لیکن یہ اصول جگہ نہ پاسکا۔ معاصر محقق بلتاجی نے اس اصول کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر امام ابوحنینہ کرخی کی زندگی میں زندہ ہو کر آجائے تو وہ اس اصول سے براءت کا اظهار کرتے۔ اس لیے کہ کرخی شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ ائمہ سے کوئی اجتہادی غلطی نہیں ہوئی، حالاں کہ یہ بات بدیہی طور پر غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: محمد بلتاجی، مناهج التشريع

آنندہ صفحات میں ان اصولوں سے متعلقہ اہم نکات کو زیر بحث لا یا جائے گا۔

## امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے ثابت شدہ اصول

### ۱- مرسل روایت سے استدلال

مرسل بنیادی طور پر مقطعی استدلال روایت ہوتی ہے۔ سند کا یہ انتظام اگر اسی جگہ سے ہو جہاں سے آخری راوی روایت کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کر رہا ہو، مگر اس نے وہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے خود نہ سنی ہو، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو مگر اس نے کسی اور صحابی کے واسطے سے وہ حدیث سنی ہو اور اس واسطے کو حذف کر کے روایت کر رہا ہو، تو یہ روایت مرسل کہلاتے گی۔<sup>(۲۹)</sup> اگر تو ارسال کرنے والا راوی صحابی ہو تو پھر صحابی کی مرسل روایت جبکہ اہل علم کے ہاں معتبر ہے، کیوں کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔<sup>(۳۰)</sup>

ارسال کا تعلق صحابی کی نسبت تابعی کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے علوم حدیث میں مرسل روایت سے بالعموم وہ روایت مرادی جاتی ہے جس میں ایک تابعی شخص صحابی کا واسطہ ذکر کیے بغیر یوں کہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا، یا کیا ہے۔<sup>(۳۱)</sup>

حنفیہ اور دیگر اصولیوں کے ہاں مرسل سے مراد وہ روایت ہے جس میں ایک عادل راوی جس کی ملاقات بنی کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو، وہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کر کے روایت کرے۔<sup>۳۲</sup> اور جب ارسال کرنے والا صحابی نہ ہو بلکہ تابعی یا تابع تابعی ہو، تو کیا اس کی مرسل روایت جھٹ ہو گی یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کی تین مختلف آراء ہیں:

۲۹۔ السیوطی، تدریب، ۱: ۱۹۵۔

۳۰۔ جیسا کہ امام سرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ولا خلاف بین العلماء في مراسيل الصحابة رضي الله عنهم أنها حجۃ؛ لأنهم صحبو رسول الله ﷺ فما يروونه عن رسول الله ﷺ مطلقاً يحمل على أنهم سمعوه منه أو من أمثالهم، وهم كانوا أهل الصدق والعدالة“ (السرخی، اصول، ۱: ۳۷۹)۔

۳۱۔ السیوطی، مصدر سابق۔

۳۲۔ دیکھیے: الامدی، الإحکام، ۱: ۲۷۲۔

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ مرسل روایت ضعیف ہے۔ جمہور محمد ثین، اصولیین اور بہت سے فقہاء کی یہی رائے ہے۔<sup>(۳۳)</sup>

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مرسل روایت صحیح اور قابل جلت ہے۔ امام مالک عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، امام ابوحنیفہ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ اور امام احمد عَنْ عَبْدِ اللَّهِ کی، مشہور قول کے مطابق، یہی رائے ہے۔<sup>(۳۴)</sup>

۳۔ تیسرا رائے یہ ہے کہ مرسل روایت چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے۔ یہ رائے امام شافعی عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وغیرہ کی ہے۔<sup>(۳۵)</sup>

صاحبین کی تالیفات میں روایات کا براحتہ مرسل کی قبیل سے ہے،<sup>(۳۶)</sup> اس لیے کہ انہوں نے مرسل روایات سے بہت زیادہ استدلال کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مرسل روایت کو معترض سمجھا گیا ہے، خواہ مرسل روایت تابعی کبیر سے ہو یا تابعی صغیر سے یا ان کے بعد کے علماء فقہاء (تعجبان وغیرہ)۔<sup>(۳۷)</sup> جن مقامات پر مرسل روایات سے ائمہ حنفیہ نے استدلال کیا ہے ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیر القرون

۳۳۔ السیوطی، مصدر سابق، ۱۹۸-۱۹۹۔

۳۴۔ نفس مصدر۔ نیز دیکھیے: السرخی، اصول، ۱: ۳۷۰-۳۷۳، نیز: ۳۷۹۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں مرسل کے سلسلے میں مزید ضمنی مباحث بھی ہیں جن سے اختصار کی غرض سے تعریض نہیں کیا جا رہا۔

۳۵۔ السیوطی، مصدر سابق۔

۳۶۔ مرسل روایات سے استدلال کی چند مثالوں کے لیے دیکھیے: یعقوب بن ابراہیم ابویوسف (م ۱۸۲ھ)، کتاب الخراج، (قاهرہ: المطبعة السلفیة، ۱۳۸۲ھ)، ۱۰، ۲۹، ۱۳۱، ۱۰۱، ۱۵۶، ۱۳۳، ۱۷۳؛ محمد بن حسن، الشیبانی، المسوط، (حیدر آباد کن، جنة إحياء المعارف النعمانية، ۱: ۲۳۳-۱۵۳، ۱۲۸-۱۲۷)۔

۳۷۔ صاحبین اور ان کے شیخ کے ہاں مرسل روایات سے استدلال اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے ہاں مرسل روایت کو جلت تسلیم کیا گیا ہے، لیکن ان سے اس سلسلے میں کوئی شرائط و ضوابط منقول نہیں کہ کس نوعیت کی مرسل سے استدلال درست اور کس سے درست نہیں ہے، چنانچہ متأخر حنفی اصولیوں کا اس سلسلے میں پکھ (ضمی نوعیت کا) اختلاف ہوا ہے، یعنی بعض نے کہا کہ صرف وہ مرسل ہمارے ائمہ کے ہاں جلت ہے جس کا راوی خیر القرون سے تعلق رکھتا ہو اور خود بھی ثقہ ہو، بعض نے کہا کہ خیر القرون کے بعد کے ثقہ راوی کی مرسل روایت بھی ائمہ کے ہاں جلت ہے، جب کہ بعض نے کہا کہ خیر القرون کے بعد کے راوی، خواہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، کی مرسل جلت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد الجبیر الترمذی، دراسات فی أصول الحديث على منهج الحنفية، کراچی: کتبۃ السعادۃ، ۲۰۰۹ء، ۳۸۱-۳۸۲)۔

کے معتبر اور ثقہ علمائی مراasil کو بالعموم قبول کرتے تھے اور اس کے پچھے غالباً یہ خیال کا فرماتھا کہ ان ثقہ علماء سے یہ توقع ہرگز نہیں ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔<sup>(۲۸)</sup> اس وجہ سے خیر القرون کے ثقہ اہل علم کی مراasil ظاہری طور پر سند کے منقطع ہونے (یعنی انقطاع صوری) کے باوجود مندرجہ روایت کے درجے میں سمجھی جاتی تھی اور سند کے انقطاع میں جو راوی حذف / ساقط ہوتے انھیں ثقہ ہی تصور کیا جاتا، اس خیال سے کہ ارسال کرنے والا جب ثقہ ہے تو یقیناً اس نے ثقہ راویوں ہی سے وہ روایت سنی ہو گی۔ اس خیال کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ ابراہیم بن حنفی سے کہا گیا کہ جب آپ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کی سند بھی بیان کیا کریں تو آپ نے کہا کہ جب میں سند بیان نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ روایت بہت سے لوگوں سے سنی ہے اور جب میں نے کسی ایک سے روایت سنی ہو تو پھر اس کا نام لے کر اسے روایت کرتا ہوں۔<sup>(۲۹)</sup> یعنی آپ اس روایت میں ارسال کرتے ہیں جہاں بہت سے راویوں نے اسے روایت کیا ہوا اور اس طرح گویا آپ کے نزدیک وہ نہایت مستند روایت ہوتی ہے، لہذا آپ اس کے راویوں کا سلسلہ سند بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابراہیم بن حنفی عَلَيْهِ السَّلَامُ کی مراasil کو اکثر ویژت اہل علم نے جست تسلیم کیا ہے، جیسا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابراہیم بن حنفی کی مراasil مجھے شعبی کی مراasil سے زیادہ محبوب ہیں۔<sup>(۳۰)</sup>

۳۸۔ اسی اطمینان کی وجہ سے یہ حضرات بعض روایات کی سند حذف کر کے بلاغات کے انداز میں بھی حدیث کو نقل کر دیتے تھے، اسی لیے صاحبین کی کتابوں میں بلاغات بہت زیادہ ہیں۔ یہ بلاغات مخفی اس انداز سے نہیں ہیں کہ یہ خود اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ بلغنا / بلغنا، بلکہ اپنے شیوخ کے حوالے سے بھی بلغہ کے ساتھ روایت نقل کر دیتے تھے، مثلاً ابو یوسف امام مالکؓ سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حدثنا مالک بن انس أنه بلغه عن النبی ﷺ...“

(یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف، الخراج، (قاهرہ: المطبعة السلفیة، ۱۳۸۲ء، ۱۰۳۔)

۳۹۔ محمد بن سعد بن منجع (م ۲۳۰ھ)، کتاب الطبقات الکبیر (بیروت: دار الصادر، سن)، ۲: ۲۷۲؛ احمد بن علی اہن ججر، (م ۸۵۲ھ)، تہذیب التہذیب (بیروت: دار صادر سن)، ۱: ۱۵۵۔

۴۰۔ ابن ججر، تہذیب، ۱: ۱۵۵۔

دیگر اکابر فقہا مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، امام اوزاعی، وغیرہ نے بھی مرسل روایت سے استدلال کیا ہے<sup>(۳۱)</sup> مگر امام شافعی غالباً وہ پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے عراقی فقہا پر اس اصول کے اختیار کرنے پر تقدیم کی اور بعد میں محمد بنین نے بھی اس مسئلے میں آپ کی پیروی کی، بلکہ بعض محمد بنین نے تو آپ سے بھی زیادہ شدت اختیار کی اور مرسل کی کسی صورت کو بھی انہوں نے قبول نہیں کیا۔<sup>(۳۲)</sup>

## ۲- مجہول راوی کی روایت سے استدلال

مجہول راوی کی تین بڑی اقسام ہیں:

- ۱- ظاہری اور باطنی ہر دو اعتبار سے مجہول راوی
- ۲- باطنی اعتبار سے مجہول (اسے مستور بھی کہا جاتا ہے)
- ۳- مجہول العین۔<sup>(۳۳)</sup>

عراقی فقہا کا حدیث کی قبولیت کے سلسلے میں دوسرا اصول جس پر بعد کے محمد بنین نے کافی نقد کیا، یہ ہے کہ ان کے ہاں مندرجہ بالائیوں اقسام کے مجہول راوی کی روایت، اگر صحیح حدیث کے دیگر اصولوں پر پورا ترے تو وہ قبل قبول سمجھی جاتی تھی اور اس میں کسی راوی کا مجہول ہونا مضر نہیں سمجھا جاتا تھا، تاہم وہ اس بات کا اہتمام بالعموم کرتے تھے کہ اس مجہول راوی کی روایت کو قبول کریں جس سے بیان کرنے والا خود ثقہ ہو<sup>(۳۴)</sup> اور جب روایت کرنے والا خود ثقہ ہو گا تو عراقی فقہا کے خیال میں یہ امکان بہت کم ہے کہ وہ کسی جھوٹ اور متروک سے روایت کرے گا، بلکہ ظریف غالب بھی ہے کہ وہ مجہول بھی ثقہ ہی ہو گا۔

۳۱ - جیسا کہ امام ابو داؤد<sup>رض</sup> نے اس سلسلے میں اہل کلمہ کے نام اپنے رسائل میں لکھا ہے: أما المراسيل فقد كان يحتاج بها العلماء فيها مضى مثل سفيان الثوري، ومالك، والأوزاعي حتى جاء الشافعي فتكلم فيها وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره۔ (دیکھیے: محمد بن موسیٰ حازمی، شروط الأئمة الخمسة (کراچی: نور محمد اخراج المطبع)، ۲۵)۔

۳۲ - تفصیل کے لیے دیکھیے: رفت فوزی، توثیق السنۃ فی القرن الثاني المجري (مصر: مکتبۃ الحانجی، ۱۹۸۱ء)، ۲۶۹۔

۳۳ - نفس مصدر، ۱۵۵۔

۳۴ - اس کی تائید ان مقالات کے مطابع سے ہو سکتی ہے جہاں پر صاحبوں نے حدثی ثقہ، یا شیخ، یا عالم وغیرہ کہہ کر حدیث کی روایت کی ہے، مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس اصول کے اختیار کرنے کی وجہ سے صاحبین (باخصوص امام ابو یوسف عَلَيْهِ الْمَغْرِبَةُ<sup>(۳۵)</sup>) کی کتابوں میں بہت سی ایسی روایات دکھائی دیتی ہیں جن کے راوی مجہول ہیں۔ امام ابو یوسف نے خود بھی اور ان کے شیخ نے بھی بہت سے مقامات پر مجہول راویوں سے روایت کی ہے، اس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ کریں:

-۱- اپنے شیخ ابو حنیفہ عَلَيْهِ الْمَغْرِبَةُ سے حدیث ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ آپ لکھتے ہیں: ”حدثنا

أبو حنيفة عن حدثه عن عمر بن الخطاب...<sup>(۳۶)</sup>

-۲- اسی طرح اپنے ایک اور شیخ ابو معشر سے روایت نقل کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ”و حدثنا

أبو معشر عن أشياخه رفعه إلى النبي عَلَيْهِ الْمَغْرِبَةُ...<sup>(۳۷)</sup>

-۳- گھوڑوں اور غلاموں کی زکاۃ سے متعلق ایک روایت کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں: ”و قد

روينا عن رسول الله عَلَيْهِ الْمَغْرِبَةُ ما نقله إلينا رجال معروفون أنه قال...<sup>(۳۸)</sup>

-۴- اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک مکتب سے متعلق روایت کی سند ذکر کرتے ہوئے آپ

لکھتے ہیں: ”حدثني إسرائيل عن أبي إسحاق قال حدثني من قرأ كتاب عمر

إلى النعمان...<sup>(۳۹)</sup>

-۵- ایک جگہ لکھتے ہیں: ”حدثني شیخ من علماء أهل الشام قد أدرك الناس عن

عروة بن رؤيم قال كتب عمر بن الخطاب...<sup>(۴۰)</sup>

-۳۵- اس لیے کہ امام محمد سے کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی رائے اس مسئلے میں شیخین سے کچھ مختلف رہی ہے، دیکھیے: بتاچی، مناهج التشريع، ۱: ۳۰۱۔

-۳۶- ابو یوسف، کتاب الخراج، ۱۲۰۔

-۳۷- نفس مصدر۔

-۳۸- نفس مصدر، ۷۷۔

-۳۹- نفس مصدر، ۳۲۔

-۴۰- نفس مصدر۔

-۶

نیز لکھتے ہیں: ”حدثی بعض المشايخ المتقدمین یرفع الحدیث إلی النبی ﷺ“

(۵۱) ...”أنه“

-۷

”حدثی شیخ من علماء البصرة عن عوف بن أبي جمیلة قال كتب عمر

(۵۲) ...”بن عبد العزیز...“

-۸

”حدثی شیخ من علماء أهل الشام...“<sup>(۵۳)</sup>

”حدثی شیخ من علماء البصرة عن...“<sup>(۵۴)</sup>

-۹

”حدثی شیخ من علماء أهل الكوفة...“<sup>(۵۵)</sup>

-۱۰

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اہل علم کے ہاں حدثی شیخ یا ثقہ وغیرہ کے الفاظ کہہ کر مجہول

راوی سے روایت کرنا بالعموم عیب نہیں سمجھا جاتا تھا،<sup>(۵۶)</sup> لیکن امام شافعی اور دیگر محدثین نے اس اصول کی بنیاد پر

-۵۱ - نفس مصدر، ۱۲۵۔

-۵۲ - نفس مصدر، ۱۳۰۔

-۵۳ - نفس مصدر، ۱۱۷۔

-۵۴ - نفس مصدر، ۱۳۰۔

۵۵ - نفس مصدر، ۱۳۱۔ امام ابویوسف<sup>ؓ</sup> نے کتاب الخراج میں ۷ مقامات پر حدثی شیخ ... حدثنا بعض مشايخنا...

وغیرہ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ ان مقامات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ۲، ۷، ۱۳، ۹، ۱۵، ۵۷، ۵۶، ۲۲، ۲۰، ۸۱، ۱۰۲، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۰۵، ۱۹۶، ۱۷۵، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۳۰، ۱۲۵، ۱۲۰، ۱۱۷، ۱۱۳، ۱۱۲۔

۵۶ - امام مالک<sup>ؓ</sup> کی مؤطما میں بھی اس سلسلے میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ نیز ابویوسف کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی اس کی

تائید ہوتی ہے:

(خلیفہ وقت نے آپ سے شام اور الجزیرۃ کی فتح کی معلومات کے لیے سوال کیا تھا، جس کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں): ”امیر المؤمنین! آپ نے شام اور الجزیرۃ کی فتح کے بارے میں اور ان علاقوں میں جن مقامات کے باشندوں سے صالح کی گئی تھی، ان کے ساتھ صالح کی شرائط کے بارے میں دریافت کیا ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے یہ سوال ”جیرہ“ [بعض نسخوں کے مطابق ”الجزیرۃ“] کے رہنے والے ایک استاذ کو جو الجزیرۃ اور شام اور ان کے مفتوح ہونے کی کیفیت سے بخوبی واقف تھے، کو کلمہ بھیجا تھا، انھوں نے مجھے اس سلسلے میں یہ جواب بھیجا ہے: ”الله تسبیح سلامت رکھے۔ شام اور الجزیرۃ کے

عراتی فقہا پر کافی تنقید کی ہے<sup>(۵۷)</sup> کیوں کہ غالباً ان کے خیال میں اس اصول کو مان لینے سے بہت سی ضعیف روایتوں کو گویا صحیح تسلیم کر لیا جائے گا، نیز فتنہ پرور لوگوں کے لیے اس اسلوب کے ساتھ جھوٹی روایتیں گھرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ محمد شین بھی بالعلوم امام شافعی کی رائے سے متفق ہیں۔<sup>(۵۸)</sup>

### ۳۔ خبر واحد معناً منقطع نہ ہو (یعنی وہ دیگر ادله سے متعارض نہ ہو)

عراتی فقہا کی طرف منسوب تیرساہم اور مختلف فیہ اصول یہ ہے کہ خبر واحد معناً منقطع نہ ہو، یعنی خبر واحد:

- ۱۔ کتاب اللہ سے متعارض نہ ہو،
- ۲۔ نہ ہی سنت مشہورہ سے متعارض ہو
- ۳۔ نہ ہی عموم بلوی کی قبیل سے ہو
- ۴۔ اور نہ ہی اس خبر واحد کی صورت یہ ہو کہ اس سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو، یا صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو۔<sup>(۵۹)</sup>

اگر خبر واحد مذکورہ اصولوں میں سے کسی ایک کے بھی معارض ظہرتی تو عراتی فقہا اس خبر واحد کو رد کر دیتے تھے۔ متاخر حنفی اصولیوں نے اسے انقطاع باطنی / معنوی سے تعبیر کیا ہے، تاہم مؤسیین فقہ سے یہ اصطلاح تو نہیں ملتی، لیکن ان شرائط و ضوابط کی موجودگی اور ان کے استعمال کی بہت واضح مثالیں ان کے ہاں موجود ہیں۔ صحابین کی تصنیفات میں سے اس حوالہ سے پائی جانے والی بحث کی کچھ تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) خبر واحد قرآن،

بارے میں اپنی تمام معلومات جمع کر کے تھیں ارسال کر رہا ہوں۔ یہ معلومات ایسی نہیں جنہیں میں نے فقہا سے (معلوم کر کے) محفوظ رکھا ہو اور نہ ان کا ذریعہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے فقہا کا حوالہ دے کر یہ معلومات مجھ سے بیان کی ہیں بلکہ یہ معلومات ایسے لوگوں سے ملی ہیں جنہیں ان امور کا عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے یہ دریافت نہیں کیا کہ ان کو یہ معلومات کن راویوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔ (ابو یوسف، مصدر سابق، ۳۹، ۳۳۳-۳۶۸)

۵۷۔ دیکھیے: محمد بن ادریس الشافعی، الأُم (بیروت: دار المعرفة، س، ن)، ۷: ۳۳۳-۳۶۸۔

۵۸۔ صحیحین میں اسی وجہ سے مجہول راویوں سے کوئی روایت نہیں لی گئی۔

۵۹۔ معلوم ہوا کہ یہ اصول کہ ”خبر واحد معناً منقطع نہ ہو“ (یعنی وہ دیگر ادله سے متعارض نہ ہو)، دراصل کئی ضمنی اصولوں کا مجموع ہے جسے حنفی اصولیوں نے انقطاع باطنی / معنوی اور بعض معاصرین نے ”اصول درایت حدیث“ سے تعبیر کیا ہے۔ نیز متاخرین نے ان اصولوں پر مزید اضافے بھی کیے ہیں جن کی تفصیل آگے متن میں آرہی ہے۔

(۲) اور سنت معروفة سے متعارض نہ ہو

یہ قاعدہ اور اصول کہ خبر واحد قرآن اور سنت معروفة کے خلاف نہیں ہونی چاہیے، اس کا تذکرہ امام ابو یوسف حنفی نے کئی جگہ کیا ہے،<sup>(۲۰)</sup> مثلاً امام او زاعم پر ایک مسئلے میں رد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

والرواية تزداد كثرة و يخرج منها ما لا يعرف ولا يعرفه أهل الفقه ولا يوافق الكتاب ولا السنة  
فإياك و شاذ الحديث و عليك بما علية الجماعة من الحديث وما يعرفه الفقهاء وما يوافق الكتاب  
والسنة فقس الأشياء على ذلك فما خالف القرآن فليس عن رسول ﷺ وإن جاءت به  
الرواية... فاجعل القرآن والسنة المعروفة لك إماما قائدا واتبع ذلك وقس عليه ما يرد عليك  
ما لم يوضح لك في القرآن والسنة.<sup>(۲۱)</sup>

روایتوں کی کثرت ہو جائے گی اور ان میں سے وہ چھانٹی ہو جائیں گی جو غیر معروف ہیں اور جنہیں فقہا نہیں جانتے اور جو قرآن اور سنت سے موافق نہیں رکھتیں۔ پس آپ کو شاذ حدیث سے پہنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت [علم] کا اتفاق ہو، اور جسے فقہا پہچانتے ہیں اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر اسی حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے۔ اور جو حدیث قرآن کی مخالفت کرے اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف درست نہیں ہو سکتی، خواہ اسے (ب طریق سنہ) روایت ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ پس قرآن اور سنت معروفة کو اپنا امام اور قائد بنائیے، اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی تو شیخ آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔

## مذکورہ بالا اصول پر دلائل

امام ابو یوسف حنفی نے خلاف قرآن اور خلاف سنت معروف و مشہورہ روایت کے مردود ہونے کے اصول پر درج ذیل بھی ذکر کیے ہیں:

۱۔ اس سلسلے میں پہلی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے:

-۲۰ اس اصول کی بنیادیں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ سے بھی ملتی ہیں (دیکھیے: رفت فوزی، توثیق السنۃ، ۵۹، ۶۰، ۲۸۹؛ ترکمانی، دراسات، ۲۵)، لیکن رقم نے صاحبین کی کتابوں سے مثالیں نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

-۲۱ ابو یوسف، الرد علی سیر الأوزاعی (کراچی: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، ۱۴۲۱ھ)، ۳۱-۳۲۔ واضح رہے کہ اس اصول پر امام شافعی نے خوب نقد بھی کیا ہے۔ دیکھیے: الأُم، ۷: ۳۶۰۔

حدثنا ابن أبي كريمة<sup>(۲۲)</sup> عن أبي جعفر عن رسول الله ﷺ أن دعا اليهود فيسألهم فحدثوه حتى كذبوا على عيسى عليه الصلاة والسلام فصعد النبي ﷺ المنبر فخطب الناس فقال إن الحديث سيشفو عنك فما أنت إلا عني بخلاف القرآن فليس عنك.

(امام ابویوسف علیہ السلام فرماتے ہیں) ابن ابی کریمہ نے ابو جعفر کے حوالے سے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے یہودیوں کو بیان اور ان سے کچھ سوال کیے جن کے جواب دیتے ہوئے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھے۔ تو نبی کریم علیہ السلام نمبر پر چڑھے اور لوگوں سے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: بے شک میری طرف منسوب احادیث کی کثرت ہو جائے گی، پس جو حدیث تمہارے پاس پہنچے اور وہ قرآن سے موافقت رکھتی ہو اسے قول کرو اور جو حدیث قرآن سے مخالفت رکھتی ہو، تو (اس کے بارے میں یاد کھوکھ) میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو قرآن کے خلاف ہو۔<sup>(۲۳)</sup>

۲- امام ابویوسف علیہ السلام نے اس سلسلے میں دوسری دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثني مسعود بن كدام والحسن بن عمارة عن عمرو بن مره عن أبي البحترى عن على بن أبي طالب علیه السلام أنه قال إذا أتاكتم الحديث عن رسول الله ﷺ فظنوا أنه الذي هو أهدى والذي وهو أتقى والذي هو أحيا.

(ہمیں مسعود بن کدام<sup>(۲۴)</sup> اور حسن بن عمارہ<sup>(۲۵)</sup> نے عمرو بن مره<sup>(۲۶)</sup> سے اور انہوں نے ابو الجھتری<sup>(۲۷)</sup> سے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب تھیں اللہ کے رسول علیہ السلام

- ۲۲- ابن ابی کریمہ کا نام خالد بن میسرۃ اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ آپ کو امام احمد، ابن معین اور ابو داؤد وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابو جعفر سے مراد امام محمد باقر ہیں جن کی مرا سیل حتفی کے ہاں جدت ہیں، دیکھیے: ابویوسف، المرد، ۲۵-۲۳، بہ ذیل حاشیہ از ابوالوفاء الغفاری۔

- ۲۳- ابویوسف، نفس مصدر، ۲۵۔ واضح رہے کہ اس حدیث کو امام شافعی نے غیر مقبول قرار دیا ہے، دیکھیے: الام، ۷: ۳۶۰۔

- ۲۴- مسعود بن کدام (م ۱۵۳ھ) کوفہ کے کبار علماء اور شفہروایوں میں سے ہیں۔ (ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان (م ۲۸۷ھ)، میزان الاعتدال (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۵ء)، ۶: ۹۰۳)۔

- ۲۵- حسن بن عمارہ (۱۵۳ھ) کوفہ کے اکابر فقہاء میں سے تھے مگر روایت حدیث میں آپ کو ضعیف بلکہ متروک بھی کہا گیا، نیز آپ پر وضع حدیث کا الزام بھی ہے۔ (نفس مصدر، ۲: ۲۲۲-۲۲۳)۔

- ۲۶- عمرہ بن مره (م ۱۱۲) کوفہ کے کبار علماء میں سے ہیں۔ ابن معین، ابو حاتم وغیرہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (نفس مصدر، ۵: ۳۶۳)۔

سے کوئی حدیث پہنچے تو یاد رکھو کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ، سب سے بڑھ کر متقدم اور سب سے زیادہ شرم و حیا والے تھے۔<sup>(۲۸)</sup>

اس حدیث سے وجہ استدلال غالباً یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف حضرت علیؓ نے بیان کیے ہیں، وہ قرآن مجید میں اور سنت معرفہ میں بھی ایسے ہی بیان ہوئے ہیں، لہذا اگر کوئی ایسی روایت جو آں حضرت ﷺ کے ان اوصاف کے منافق معلوم ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیون کہ آپؐ جیسی صاحب ہدایت، صاحب تقویٰ اور صاحب حیا ذات سے ایسی حدیث کا صدور محال ہے جو قرآن کے اصول و احکام کے منافق ہو۔

۳۔ امام ابویوسف عسکری نے اس سلسلے میں تیسرا دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثنا أشعث بن سوار وإسماعيل بن أبي خالد عن الشعبي عن قرظة بن كعب الأنصاري رضي الله عنه أنه قال أقبلت في رهط من الأنصار إلى الكوفة فشييعنا عمر بن الخطاب رضي الله عنه يمشي حتى انتهينا إلى مكان قد سماه ثم قال هل تدرؤن لم مشيت معكم يا عشر الأنصار قالوا نعم لحقنا قال إن لكم الحق ولكنكم تأتون قوما لهم دوي بالقرآن كدوبي النحل فأقلوا الرواية عن رسول الله ﷺ وأنا شريككم فقال قرظة لا أحد ثد حديثا عن رسول الله ﷺ أبدا.<sup>(۲۹)</sup>

(ہمیں اشعش بن سوار<sup>(۲۰)</sup> اور اسماعیل بن ابی خالد<sup>(۲۱)</sup> نے شعبی سے اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاری<sup>(۲۲)</sup> سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا: میں انصار کے ایک گروہ کے ساتھ جب کوفہ آنے کے لیے (مدینہ سے) روانہ ہوا تو

۶۷۔ ابو الجھری کا نام سعید بن فیروز<sup>(۲۳)</sup> ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں، آپ کو حافظ ذہبی نے صد و قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی صرف وہ روایات مقبول ہیں جو سماع کے ساتھ ہیں اور جو عنعنہ کے ساتھ ہیں وہ ضعیف شمار ہوں گی، اس لیے کہ آپ تدلیس کرتے تھے۔ (نفس مصدر، ۷: ۳۳۲)۔

۶۸۔ ابویوسف، الرد، ۲۹۔

۶۹۔ نفس مصدر، ص ۳۰۔

۷۰۔ اشعش بن سوار کوفہ<sup>(۲۴)</sup> کے کبار علماء میں سے ہیں۔ آپ کو زیادہ اہل علم نے ثقہ اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ذہبی، میزان الاعتدا، ۱: ۳۲۸-۳۲۷)۔

۷۱۔ اسماعیل بن ابی خالد<sup>(۲۵)</sup> بھی کوفہ کے کبار اور ثقہ علماء میں سے ہیں۔ (ابویوسف، الرد، (بذریعہ حاشیہ از ابوالوفاء انفلی)، ۳۰)۔

۷۲۔ قرظہ بن کعب الانصاری، صحابہ میں سے ہیں۔ (نفس مصدر)۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کچھ دور تک ہمارے ساتھ چلے، پھر ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے انصار کی جماعت! معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیوں چل کر آیا ہوں؟، انصار کے ان لوگوں نے کہا: جی ہاں، اس لیے کہ یہ ہمارا حق تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: ہاں یہ تمہارا حق تھا، اور سنو، تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو قرآن کو بہت خوب صورتی سے پڑھتے ہیں۔ تم ان کے سامنے اللہ کے رسول کی احادیث کم بیان کرنا اور میں بھی تمہارا ساتھی ہوں۔ قرظہ کہتے ہیں میں تو کبھی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔)

امام ابو یوسف عویشؑ نے اس سلسلے میں چوتھی اور پانچویں دلیل کے طور پر یہ دو آثار پیش کیے ہیں:  
کان عمر رضي الله عنه فيما بلغنا لا يقبل الحديث عن رسول الله ﷺ إلا بشاهدين  
ولولا طول الكتاب لأسندت الحديث لك و كان على بن أبي طالب رضي الله عنه  
لا يقبل الحديث عن رسول الله ﷺ۔ (۱۷)

(حضرت عمر بن الخطابؓ سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی حدیث دو گواہوں کے بغیر قول نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ خدا شہ نہ ہوتا کہ کتاب طویل ہو جائے گی، تو میں سند کے ساتھ ان روایات کو یہاں نقل کرتا۔ اور حضرت علیؓ کے رسول ﷺ کی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے (جب تک کہ راوی اس پر قسم نہ اٹھاتا)۔

امام ابو یوسف عویشؑ نے اس سلسلے میں چھٹی دلیل یہ روایت پیش کی ہے: ”حدثنا الثقة عن رسول الله ﷺ أنه قال في مرضه الذي مات فيه إني لا أحرم ما حرم القرآن.“ (۱۸) (ہمیں ثقہ راوی نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: میں بھی انھیں چیزوں کو حرام قرار دیتا ہوں جنھیں قرآن حرام قرار دیتا ہے۔)

ابو یوسف عویشؑ ان دلائل کو ذکر کرنے کے بعد امام اوزاعی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ”فاجعل القرآن والسنۃ المعروفة لك إماما قائدا واتبع ذلك وقس عليه ما يرد عليك مما لم یوضجع

۱۷۔ ابو یوسف، الرد، ۳۱۔

۱۸۔ نفس مصدر۔

لک فی القرآن والسنۃ۔<sup>(۲۵)</sup> (پس قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا امام اور قائد بنائیے، اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی توضیح آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔)

### مذکورہ دو اصولوں (خبر واحد قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو) کا تجزیہ

معلوم ہوا کہ یہ دو اصول ائمہ موسیین سے منقول ہیں اور انھوں نے پورے شرح صدر سے انھیں استعمال کیا ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ اصول بعض صحابے نے بھی استعمال کیے ہیں اور صحابہ کا ان اصولوں کو استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول سند سے متعلق نہیں بلکہ متن سے متعلق ہیں، کیون کہ صحابہ کے ہاں اگر اس اصول کی بنیادیں موجود ہیں تو پھر سند کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے عراقی فقہاء ان اصولوں سے متعارض خبر واحد کو رد کر دیتے تھے خواہ اس کی سند کتنے ہی ثقہ راویوں پر مشتمل کیوں نہ ہو۔ یہی صورت حال اس اصول کے سلسلے میں بعد کے حنفی اصولیوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ تمام حنفی اصولیوں نے اس اصول کو تسلیم کیا اور اسے استعمال کیا۔<sup>(۲۶)</sup>

دیگر ائمہ میں سے امام مالک کے حوالے سے بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے،<sup>(۲۷)</sup> جب کہ بعض ائمہ، خاص طور پر امام شافعی نے اس اصول کے سلسلے میں بھرپور نقد کیا ہے اور اسے ایک غلط اصول قرار دیا ہے<sup>(۲۸)</sup> (مبارکہ لوگ روایات کو خلاف قرآن قرار دے کر رد کرنے لگیں) اور ان دلائل کی کم زوری کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو ابو یوسف نے اس سلسلے میں پیش کیے ہیں۔<sup>(۲۹)</sup>

- ۷۵ - نفس مصدر۔

- ۷۶ - سوائے معروف حنفی اصولی علی بن محمد حسین بزدی کے بھائی ابوالیسر بزدی کے۔ (دیکھیے: ترکمانی، دراسات، ۲۶۲)

- ۷۷ - لیکن کلی طور پر یا جزوی طور، اس حوالے سے اختلاف رائے موجود ہے، تفصیل کے لیے (دیکھیے: عبدالجیب، الاتجاهات

الفقهیہ عند أصحاب المحدثین فی القرن الثالث الهجری (قاهرہ: مکتبۃ الحانجی، ۱۹۷۴ء)، ۱: ۱۵۶؛

رفعت فوزی، توثیق السنۃ، ۲۹۸۔

- ۷۸ - امام شافعی سے پہلے بھی بعض علمانے اہل مدینہ کے پس منظر میں اس اصول پر نقد کیا ہے، (دیکھیے: رفت فوزی، توثیق، ۲۸۲،

۲۸۵، ۲۹۸، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۸۱۔

- ۷۹ - (دیکھیے: الشافعی، الأم، ۷: ۳۶۰)

امام شافعی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جب خبر واحد ثقہ عن ثقہ ثابت ہو جائے تو پھر وہ اپنی ذات میں خود ایک اصول ہے<sup>(۸۰)</sup> اور اسے خلاف قرآن یا خلاف سنت مشہورہ ثابت کر کے رد کرنے کی بجائے تطیق کی راہ نکالنی چاہیے،<sup>(۸۱)</sup> چنانچہ آپ کے دلائل سے متاثر ہو کر بعد کے محدثین نے بھی اس سلسلے میں عراقیوں، حنفیوں کی بجائے آپ کی پیروی کی ہے۔<sup>(۸۲)</sup>

### (۳) خبر واحد عموم بلوی کی قبل سے نہ ہو

متاخر حنفی اصولی ایسی خبر واحد کو جو عموم بلوی کی قبل سے ہو 'شاذ' روایت قرار دیتے ہوئے رد کر دیتے ہیں جیسا کہ امام سرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی خبر واحد جو عموم بلوی سے تعلق رکھتی ہو، مگر اس کے باوجود مشہور نہ ہوئی ہو، شاذ قرار دے کر مردود قرار دیا ہے<sup>(۸۳)</sup> اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہمیں یہ بات تولتی ہے کہ آپ شاذ روایت کو قبول نہیں کرتے تھے، مگر امام ابو یوسف کے نزدیک شاذ روایت سے مراد کون سی روایت ہے، اس سلسلے میں ان کے درج ذیل اقتباسات کے بعد اس پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے:

۱۔ کتاب الرد میں ایک مقام پر امام اوزاعی پر نقد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "فِإِيَاكَ

وَشَاذُ الْحَدِيثِ وَعَلَيْكَ بِهَا عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ مِنَ الْحَدِيثِ وَمَا يَعْرَفُهُ الْفَقَهَاءُ وَمَا

يُوَافِقُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَقْسُ الْأَشْيَاءِ عَلَى ذَلِكَ."<sup>(۸۴)</sup> (پس آپ کو شاذ حدیث

سے بچنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت (علماء) کا اتفاق ہو اور جسے فقہا پچانتے

-۸۰۔ رفت فوزی، توثیق، ۳۸۱۔

-۸۱۔ تاہم بعض صورتوں باخصوص تعارض کے وقت خود امام شافعی نے بھی اس اصول کو اہمیت دی ہے، دیکھیے: رفت فوزی، توثیق، ۷۰۳۔

-۸۲۔ دیکھیے: عبدالجید، الاتجاهات، ۱: ۱۹۳-۲۰۸۔ عبدالجید کے بہ قول امام بخاری بھی اس اصول کی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں، اور انہوں نے امام بخاری سے اس سلسلے میں بعض مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔

-۸۳۔ السرخی، اصول، ۱: ۳۶۳۔

-۸۴۔ ابو یوسف، الرد، ۳۱۔

ہیں اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر ایسی حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے)۔

اسی طرح ایک اور مسئلے میں امام اوزاعی کی دلیل پر نظر کرتے اور انھیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”فَعَلِيكَ مِنَ الْحَدِيثِ بِهَا تَعْرِفُهُ الْعَامَةُ وَإِيَّاكَ وَالشَّاذُ مِنْهُ۔“<sup>(۸۵)</sup>

(آپ کو چاہیے کہ انہی احادیث کو بنیاد بنا کر جنھیں جسھیں سمجھی (فہما) جانتے ہیں اور شاذ روایتوں سے اجتناب کریں۔)

اسی طرح گھوڑوں کو مال غنیمت سے حصہ دینے سے متعلقہ مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ”لَمْ يَبْلُغُنَا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ أَنَّهُ أَسْهَمَ لِلْفَرَسِينَ إِلَّا حَدِيثٌ وَاحِدٌ وَكَانَ الْوَاحِدُ عِنْدَنَا شَذًّا لَا نَأْخُذُ بِهِ۔“<sup>(۸۶)</sup>

(ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے یا ان کے صحابہ میں سے کسی سے ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا گیا ہو، البتہ اس سلسلے میں صرف ایک ہی حدیث مروی ہے اور ایک حدیث ہمارے نزدیک شاذ ہوتی ہے، جسے ہم قبول نہیں کرتے۔)

یہی بات ایک اور حدیث کے بارے میں جسے امام اوزاعی نے ایک مسئلے میں اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا تھا، آپ نے اس طرح کہی ہے: ”وَقَدْ بَلَغْنَا مِنْ هَذَا مَا قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ، وَهُوَ عِنْدَنَا شَذًّا وَالشَّاذُ مِنَ الْحَدِيثِ لَا يَؤْخُذُ بِهِ۔“ (اواعی نے اس سلسلے میں جو کچھ (بے طور دلیل) کہا ہے، ہمیں بھی وہ دلیل پہنچی ہے، لیکن وہ ہمارے نزدیک شاذ ہے اور شاذ حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔)<sup>(۸۷)</sup>

مذکورہ بالاقتباسات سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک شاذ روایت سے مراد وہ روایت ہے:

۱۔ جو قرآن کے خلاف ہو۔

۲۔ جو سنت معروفة کے خلاف ہو۔

-۸۵ نفس مصدر، ۳۲۔

-۸۶ نفس مصدر، ۳۱۔

-۸۷ نفس مصدر، ۱۰۵۔

۔ جو عوم بلوی کی قبیل سے ہو مگر اسے درجہ شہرت یا تواتر حاصل نہ ہوا ہو۔  
 امام محمد بن عثیمین سے یہ اصول زیادہ صراحت کے ساتھ منقول ہے چنانچہ سورۃ الحج میں دو سجدوں کے  
 حوالے سے حضرت عمر بن عثمانؓ سے مروی ایک روایت پر نظر کرتے ہوئے اس اصول کو آپ نے اس طرح استعمال  
 کیا ہے:

”هکذا روی عن عمر ولیست العامة عندنا على ذلك وإنما روی هذا عمر بن الخطاب  
 رجل من أهل مصر ولو كان معروفا مشهورا من فعل عمر لعرفه من كان مع عمر بالمدينة  
 ومن أتى بها من الآفاق ولكن هذا مشهورا معروفا من فعله.“<sup>(۸۸)</sup> (حضرت عمر بن عثمانؓ سے اسی  
 طرح مروی ہے جب کہ ہمارے ہاں عام لوگوں کا عمل اس پر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ روایت حضرت عمر بن عثمانؓ سے  
 صرف ایک مصری آدمی نے بیان کی ہے، حالانکہ حضرت عمر کے حوالے سے اگر یہ مشہور و معروف بات ہوتی تو  
 اسے وہ لوگ ضرور جانتے ہوتے جو آپ کے ساتھ مدینہ میں رہے اور یہ روایت حضرت عمر کے حوالے سے مشہور ہو  
 چکی ہوتی۔)

### اس اصول کا تجزیہ

ذکورہ بالا اصول کے حوالے سے بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ مؤسین سے منقول نہیں، بلکہ امام  
 کرخی کا بنایا ہوا اصول ہے، لیکن زیادہ تر اصولیوں نے اسے مؤسین کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی بات درست  
 ہے<sup>(۸۹)</sup>۔ دیگر اہل علم میں سے مالکیہ سمیت بہت سے اہل علم نے اس اصول کو قبول کیا ہے،<sup>(۹۰)</sup> لیکن امام شافعی اور  
 آپ سے متاثر محمد شین نے اس اصول کی تردید کی ہے<sup>(۹۱)</sup>

۸۸۔ محمد بن حسن الشیبانی، کتاب الحجۃ علی اہل المدینة، (حیدر آباد دکن: مطبعة المعارف الشرقية، ۱۹۶۵ء)،

۱۰۸:۱

۸۹۔ دیکھیے: بتاہی، مناهج التشريع، ۱: ۳۱۰۔ بتاہی بیان کرتے ہیں کہ جن روایات کو امام ابوحنیفہ نے رد کیا ہے، ان کا میں نے  
 بہ نظر عین مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو ان روایات کی تضعیف کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے۔

۹۰۔ دیکھیے: ترکمانی، دراسات، ۳۱۲، ۳۱۵؛ رفعت فوزی، توثیق، ۳۲۵۔

۹۱۔ دیکھیے: عبدالجبار، الاتجاهات، ۱: ۲۳۹۔

## (۲) خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو

متاخر حنفی اصولیوں کے ہاں اس اصول کی دو صورتیں ملتی ہیں:

- ۱۔ خود صحابی اس حدیث کاراوی ہو، لیکن اس کا عمل اپنی ہی روایت کے خلاف ہو۔
- ۲۔ راوی کوئی ایک صحابی ہو مگر دیگر صحابہ میں سے کسی ایسے صحابی کا عمل اس روایت کے خلاف ہو جس کے بارے میں یہ امکان نہ ہو کہ وہ حدیث اس صحابی سے مخفی رہی ہو گی۔

ان دونوں صورتوں میں ان کے بہ قول ضروری ہے کہ ایسی روایت کو نسخ پر محمول کیا جائے، لیکن اگر نسخ کی تاریخ معلوم نہ ہو تو پھر لامحالہ راوی سے اس روایت میں غلطی ہوئی ہے اور یہ چیز اس روایت کو منقطع (یعنی معنیاً باطلاً منقطع) بنادیتی ہے، ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہ حدیث پر عمل کے سلسلے میں مداہنت کرتے تھے، حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔<sup>(۹۲)</sup>

سرخسی کے علاوہ بعض اور حنفی اصولیوں نے بھی صراحت کی ہے کہ وہ خبر واحد جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو، شاذ کہلاتی ہے، جیسا کہ ابو بکر جصاص عَزَّوَجَلَّ نے اس سلسلے میں عیسیٰ بن ابیان کے حوالے سے شاذ روایت اس خبر واحد کو قرار دیا ہے جسے صحابہ میں سے کسی نے روایت کیا ہو مگر باقی صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو۔<sup>(۹۳)</sup>

## اس اصول کا تجزیہ

کیا یہ اصول مؤسین فتنہ حنفی کے ہاں موجود ہے یا نہیں؟ اس انتساب کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ حنفی اصولی، (عیسیٰ بن ابیان، ابو بکر جصاص، سرخسی وغیرہ)<sup>(۹۴)</sup> تو اصول کے انتساب کو درست مانتے ہیں جب کہ بعض محققین اس کا انتساب درست قرار نہیں دیتے۔<sup>(۹۵)</sup> رقم کو صحابین کی کتابوں میں اس اصول کے حوالے سے کوئی

- ۹۲۔ السرخسی، اصول، ۲: ۲۰۵۔

- ۹۳۔ مثلاً دیکھیے: احمد بن علی الرازی الجصاص، الفصول في علم الأصول (کویت: وزارة الأوقاف)، ۳: ۳۱۱۔

- ۹۴۔ السرخسی، اصول، ۷: ۳۷۹، ۳: ۳۷۸۔

- ۹۵۔ مثلاً عبد الجید کی رائے میں امام محمد اس اصول کو اسی طرح نہیں مانتے جس طرح امام شافعی نہیں مانتے، دیکھیے: الاتجاهات،

ایسی واضح مثال نہیں ملی کہ جس سے اس کے انتساب کے بارے میں قطعی رائے قائم کی جاسکے، لیکن امام شافعی نے چوں کہ ائمہ حنفیہ پر اس اصول کے استعمال پر نقد کیا ہے،<sup>(۹۶)</sup> اس لیے اس سے اس نقطہ نظر کو تقویت ملتی ہے کہ اس کا انتساب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی طرف درست ہے۔

فقہاء حنفیہ کے علاوہ مالکیہ نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے، جب کہ امام شافعی، جہور محمد شین اور امام ابن حزم نے اس اصول پر نقد کیا ہے۔<sup>(۹۷)</sup>

### امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی طرف منسوب محل نظر اصول

اخبار احادیث کے رد و قبول کے اصولوں کے سلسلے میں شروع میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ائمہ حنفیہ کی طرف ان اصولوں میں سے بعض کا انتساب متاخر حنفی اصولیوں کی استخراجی کو ششوں پر بنی ہے اور اس ضمن میں بعض اصولوں کا انتساب صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اختصار کی غرض سے یہاں بہ طور نمونہ اس اصول کہ ”قیاس سے متعارض روایت کاراوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت (خبر واحد) مردود ہے“ کو زیر بحث لا یا جارہا ہے۔

قیاس<sup>(۹۸)</sup> اور خبر واحد کے متعارض ہونے کی صورت میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے گا، اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی فقہی آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے بعد کے حنفی فقہاء اور اصولیوں نے دو

۹۶۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں کئی جگہ اس اصول پر نقد کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: ویعلم أن الحديث إذا رواه الثقات عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم فذلك ثبوته وأن لا نعول على حديث لیثیت إن وافقه بعض أصحاب رسول الله صلی الله علیہ وسلم ولا يرد لأن عمل بعض أصحاب رسول الله عملاً يخالفه لأن بأصحاب رسول الله وال المسلمين كلهم حاجة إلى أمر رسول الله صلی الله علیہ وسلم وعليهم اتباعه لا أن شيئاً من أقوايلهم تبع ما روی عنه ووافقه یزید قوله شدة ولا شيئاً خالفه من أقاویلهم یوهن ما روی عنه الثقة (دیکھیے: شافعی، اختلاف الحدیث، (بیروت: دار الكتب الثقافية، ۱۹۸۵ء)، ۱:۱۵۰، ۵:۰۵؛ وہی مصنف، الأُم، ۱:۱۵۱))

۹۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالجید، الاتجاهات، ۱:۲۵۳۔ عبد الجید کے بہ قول محدث ابو داؤد نے دیگر محمد شین کے بر عکس اس اصول کو استعمال کیا ہے، چنانچہ آپ نے اس ضمن میں ان سے بعض مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔

مختلف نقطہ نظر اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ راوی اگر قلیل الفقیہ یا غیر فقیہ ہو تو اس کی روایت کو قیاس کے مقابلے میں رد کر دیا جائے گا اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ روایت اگر فقیہ شرائط صحبت پر پورا اتری ہو تو اسے کسی طور بھی رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے معارض قیاس کو رد کر دیا جائے گا۔

### پہلا نقطہ نظر (قیاس کو خبر واحد پر ترجیح)

اس نقطہ نظر کے قائلین میں عیسیٰ بن ابان، امام بزدی و امام سرخی وغیرہ شامل ہیں، جیسا کہ عبد العزیز بخاری کشف الأسرار میں متعلق بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”قیاس کے مقابلے میں خبر واحد کو ترجیح دینے کے لیے اس کے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط لگانا عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے۔ قاضی ابو زید<sup>(۹۹)</sup> نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور حدیث مصر اور حدیث عرایا کو اسی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ پھر ان کے بعد اکثر متاخرین حنفیہ نے اس را کو اختیار کر لیا ہے۔“<sup>(۱۰۰)</sup>

### دوسرانقطہ نظر (خبر واحد کو قیاس پر ترجیح)

زیر بحث مسئلے میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ خبر واحد اور قیاس میں تعارض کی صورت میں خبر واحد کو بہر صورت قیاس پر مقدم رکھا جائے گا، بشرطے کہ خبر واحد دیگر شرائط صحبت پر پورا اتری ہو۔ محققین کے بقول یہ نقطہ نظر ہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کا ہے جیسا کہ امام بزدی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر میں علامہ عبد

۹۸۔ یہاں قیاس سے قیاس فقیہ مراد ہے، قیاس کلی، یا قاعدہ کلیہ یا قیاس منطقی مراد نہیں ہے۔ نیز وہ کون سی صورت ہے جب قیاس اور خبر واحد میں تعارض کی وجہ سے مذکورہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، ”خبر واحد اور قیاس: باہمی تعارض کی صورت میں صاحبین اور حنفی اصولیوں کا زاویہ نظر“، مجلہ الاضواء، لاہور، ۲۵: ۳۳، (جنون ۲۰۱۰)، ۹۱-۱۱۸۔

۹۹۔ بعض اہل علم کے بقول قاضی دبوسی کا نقطہ نظر اس کے بر عکس ہر حال میں خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دینے کا ہے، چنانچہ آپ تأسیس النظر میں فرماتے ہیں: ”وہ قسم یا صورت جس میں امام بالک اور ہمارے ائمہ ثالثہ کے درمیان اختلاف ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے ائمہ ثالثہ کا اصول یہ ہے کہ جو حدیث خبر واحد کے طور پر ہم تک پہنچ گئی وہ قیاس صحیح پر مقدم ہے، جب کہ امام بالک<sup>”</sup> کے نزدیک قیاس صحیح خبر واحد پر مقدم ہے ذ۔ (دیکھیے: مصطفیٰ سعید الحسن، قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، (متترجم: جبیب الرحمن) (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی)، ۲۲۱)۔

۱۰۰۔ بخاری، کشف، ۳۸۳۔

العزیز بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتے کو واضح کیا ہے۔ آپ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی ہے اور راوی کے قلیل الفقه ہونے کی صورت میں اس کی روایت کو رد کرنے کے اصول کو من گھڑت قرار دیا ہے، چنانچہ اس حوالے سے آپ فرماتے ہیں:

یہ اصول (جو علامہ بزوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمایا ہے) ہمارے اصحاب سے قطعاً منقول نہیں ہے بلکہ ان سے (اس کے بر عکس) صرف یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے، البتہ اس کی تفصیل کے بارے میں ان سے کچھ بھی مردی نہیں ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رض سے مردی دیا کہ ”لولا الروایة لقلت بالقياس“ (اس سلسلے میں اگر یہ روایت نہ ہوتی تو میں قیاس سے کام لیتا۔) اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ”امال“ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رض سے مردی حدیث مصراتہ پر عمل کیا اور اسی بنا پر مشتری کے لیے حق خیار کو تسلیم کیا ہے۔ علاوه ازین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ بھی منقول ہے کہ ”ما جاءنا عن الله والرسول فهو على الرأس والعين۔“ (اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جو کچھ ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔) یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی سے بھی روایت کی صحت کے لیے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط منقول نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ بات بعد میں گھڑی گئی ہے۔<sup>(۱۰۱)</sup>

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور کبار فقہاء حنفیہ کا موقف وہی ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کر رہے ہیں تو پھر فقہاء حنفیہ نے زیر بحث بعض اخبار آحاد کو رد کیوں کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان حدیثوں پر ہمارے اصحاب کے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے راوی فقاہت کی نعمت سے محروم ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث کتاب اللہ یا سنت مشہورہ کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث مصراتہ کتاب و سنت کے ظاہر کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے۔ اسی طرح حدیث عرایا سنت مشہورہ کے خلاف ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ ”التمر بالتمر مثل بمثل کیل بکیل۔“ (کھجور کے بد لے کھجور کا سودا تب درست ہے جب یہ ایک حصی اور برابر برابر ہوں۔) ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت ابو ہریرہ رض فقیہ نہیں تھے، بلکہ آپ فقیہ تھے اور اجتہاد کے لوازمات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جو آپ میں نہ ہو۔ آپ عہد صحابہ میں فتویٰ دیتے تھے حالانکہ اس زمانے میں غیر فقیہ اور غیر مجتہد کے فتویٰ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ آس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور محبوب ترین صحابی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حافظہ کی دعا فرمائی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے بخشنا تھی کہ آپ کا اور آپ کی روایات کا شہرہ چہار سور پھیل گیا۔ اسحاق حظیلی بیان کرتے ہیں کہ ہماری رائے میں احکامی احادیث کی

تعداد تین ہزار ہیں جن میں سے پندرہ سورا ویات تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے سات سے زائد لوگوں نے آپ سے روایت کیا ہے اور صحابہ کی بھی ایک جماعت نے آپ سے روایت کیا ہے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو قیاس کے مقابلے میں رد کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔<sup>(۱۰۲)</sup>

یہی موقف دیگر حنفی اصولیوں کا بھی ہے جیسا کہ عبد العزیز بخاری لکھتے ہیں کہ ”شیخ ابو الحسن کرخی اور ہمارے دو اصحاب جھنوں نے ان کی پیروی کی ہے، ان کے نزدیک خبر واحد کی قیاس پر ترجیح کے لیے راوی کا فقیہ ہونا کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ہر راوی کی روایت قبل قول سمجھی جائے گی اور اسے قیاس پر ترجیح دی جائے گی، بہ شرطے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ ابوالیسر کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کارجان بھی ہے۔“<sup>(۱۰۳)</sup>

اسی طرح حافظ ابن ہمام الدین فرماتے ہیں: ”اذا تعارض خبر الواحد والقياس بحیث لا جماع  
قدم الخبر مطلقاً عند الأكثرا.“ (جب حدیث اور قیاس میں تعارض ہو جائے اور دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو

پھر حدیث کو مطلقاً قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ اکثر اہل علم کی بھی رائے ہے۔)<sup>(۱۰۴)</sup>

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۸ھ) کا بھی یہی موقف ہے، چنانچہ آپ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی بحث میں فرماتے ہیں کہ ”یہ چیز روزے کے رکن کی حیثیت رکھتی ہے کہ حالت روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کیا جائے... اب قیاس کی رو سے فیصلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اجتناب نہیں کرتا، خواہ بھول کر ہی سہی، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بھی رائے ہے، اس لیے کہ روزے کے رکن کے منافی چیز موجود ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک کہا کہ اگر لوگوں کا طعن نہ ہوتا تو میں بھی (قیاس کے بوجب) بھی کہتا کہ ایسا شخص قضاۓ گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہیں گے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں (حدیث) کی مخالفت کی ہے تو میں قیاس کے مطابق بات کرتا لیکن ہم نص کی موجودگی میں قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ اور وہ نص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بھول کر کھاپی لیا، وہ اپناروزہ پورا کرے، پس اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے،... امام

- ۱۰۲ - نفس مصدر۔

- ۱۰۳ - نفس مصدر۔

- ۱۰۴ - محمد بن عبد الواحد ابن ہمام الدین، تیسیر التحریر (مصر: مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبي وأولاده، ۱۳۵۱ء)،

ابو حنفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”بھولنے والے پر قضا نہیں ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر مروی ہے، گو کہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ قضا لازم آئے، لیکن اثر کی پیروی قیاس سے اولی ہے بہ شرط کہ اثر صحیح ہو۔ اس حدیث کو امام ابو حنفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، اس لیے اس میں کسی کو طعن (جرح) کا حق نہیں پہنچتا اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث کے بڑے ماہر تھے، نے بھی اس سلسلے میں نقد کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ یہ حدیث شاذ نہیں ہے کہ ہم اسے رد کرنے کی وجہ کریں۔“<sup>(۱۰۵)</sup>

واضح رہے کہ بہت سے معاصر محققین مثلاً علامہ شبیل نعماں، ابو زہرا، وہبہ الز حلیل وغیرہ، کار بجان عالم طور پر دوسرے نقطے نظر ہی کی نامنندگی کرتا ہے۔<sup>(۱۰۶)</sup>

### قیاس اور خبر واحد کے بارے میں صاحبین کا نقطہ نظر

صاحبین کی تالیفات کے مطالعے سے اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے کہ آپ حضرات خبر واحد اور قیاس کے تعارض کی صورت میں خبر واحد کو ترجیح دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کار اوی فقیہ ہے یا نہیں۔ اور صرف خبر واحد ہی نہیں، بلکہ ایسی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں کہ آپ آثار صحابہؓ سے متعارض قیاس کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند اہم مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں۔

۱۔ اگر مشرکوں کا کوئی آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو مسلمان اس لاش کو قیمتاً مشرکوں کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام ابو حنفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مال غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ ”اس میں کوئی حرج نہیں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ غیر مسلموں کے مالوں پر غصبًا قبضہ کرنا مسلمانوں کے لیے (جنگ میں) جائز ہے تو پھر اگر وہ اپنا مال خوشی سے دے رہے ہوں تو یہ بالا ولی جائز اور حلال ہو گا۔“<sup>(۱۰۷)</sup>

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ”میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور اس سے منع بھی کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حربی یا غیر حربی کافروں کو شراب، خنزیر، مردار اور خون وغیرہ بیچیں، کیوں کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس وہ روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہمیں ابن ابی یلیل نے

-۱۰۵۔ ابوکبر بن مسعود کاسانی، بداع الصنائع في ترتیب الشرائع (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۶ء)، ۲: ۲۲۲۔

-۱۰۶۔ ”تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، ”خبر واحد اور قیاس“، ۹۱-۱۱۸۔

-۱۰۷۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ۱۹۹۔

بروایت حکم، بروایت مقصّم، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ ایک مشرک خندق میں گر کر مر گیا تو مسلمانوں کو اس کی لاش کے عوض مال پیش کیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے انھیں (لاش کے بد لے پیسے لینے سے) منع کر دیا۔<sup>(۱۰۸)</sup>

معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف جعفر بن علیؑ نے اس حدیث کے پیش نظر امام ابو حنیفہ عاصمؑ کے قیاس کو ترک کیا اور ان کے بر عکس موقف اختیار کیا ہے۔

۲۔ اگر قاضی یا حاکم وقت کسی کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتا یا شراب پیتا دیکھ لے تو کیا وہ اس پر حد نافذ کرنے کا مجاز ہے یا گواہوں کی موجودگی اور شہادت بھی ضروری ہے؟ اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے امام ابو یوسف عاصمؑ لکھتے ہیں کہ

اگر امام یا اس کا ماتحت حاکم اپنی آنکھوں سے کسی شخص کو چوری کرتے یا شراب پیتے یا زنا کرتے دیکھ لے تو صرف اپنے مشاہدہ کی بنابر اس کے لیے اس شخص پر حد جاری کرنا مناسب نہیں ہے حتیٰ کہ یہ جرم اس کے سامنے گواہی کے ذریعے ثابت نہ ہو جائے۔ یہ رائے استحسان کی بنیاد پر ہے اور اس استحسان کا سبب ایک اثر ہے جو اس مسئلے میں ہمیں معلوم ہوا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ (امام یا حاکم کے مشاہدہ کی بنیاد پر) حد جاری کی جاسکتی ہے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہمیں اسی مسئلہ کی روایت بیان کی گئی ہے (جو ہم نے اختیار کیا ہے)۔<sup>(۱۰۹)</sup>  
معلوم ہوا کہ یہاں آپ نے آثار صحابہؓ کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اس حکم میں مردوں پر قیاس کرتے ہوئے عورتیں بھی شمار سمجھی جانی چاہئیں مگر امام ابو یوسف جعفر بن عاصمؑ اور امام ابو حنیفہ عاصمؑ نے اس مسئلے میں ایک اثر صحابی کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے جیسا کہ ابو یوسف عاصمؑ لکھتے ہیں:

”فَأَمَّا الْمَرْأَةُ إِذَا ارْتَدَتْ عَنِ الإِسْلَامِ فَحَالَهَا مُخَالَفُ حَالِ الرَّجُلِ ، نَأْخُذُ فِي الْمُرْتَدِ بِهِ“

قول عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ فیإن أبا حنیفة حديثی عن عاصم بن أبي رزین عن ابن عباس  
قال: لا يقتل النساء إذا هن ارتددن عن الإسلام ولكن يحبسن ويידعين إلى الإسلام ويحبرن عليه.“ (اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کا معاملہ مرد کے معاملہ سے مختلف ہو گا۔ مرتد عورت کے معاملہ میں ہم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق رائے اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ابو حنیفہ عاصمؑ نے ہمیں بروایت

- ۱۰۸ - نفس مصدر۔

- ۱۰۹ - نفس مصدر، ۷۸۷۔

عاصم بن ابی رزین، برداشت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر عورت میں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انھیں قید کر دیا جائے گا اور انھیں اسلام کی دعوت دی جاتی رہے گی اور اسلام قول کر لینے پر انھیں مجبور کیا جاتا رہے گا)۔<sup>(۱۰)</sup>

۳۔ روزے کی حالت میں بھول کر کھاپی لینے کے بیان میں (باب الرجل يأكل أو يشرب ناسيا)

امام محمد علیہ السلام لکھتے ہیں: ”اہل مدینہ نے یہ بات کیسے کہہ دی کہ بھول کر کھانے پینے والے پر قضاہ ہے، جب کہ ہم نے کسی (عالم) کو یہ کہتے نہیں سن اور اس بارے میں جو آثار مروی ہیں اور جس پر لوگوں کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ جس نے بھول کر کھاپی لیا تو اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ اور اہل مدینہ جانتے ہیں کہ وہ روایات جنھیں کوئی رد نہیں کر سکتے، کے ہوتے ہوئے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ راء (قياس) کو اختیار کرے۔ اور اسی لیے امام ابو حنیفہ علیہ السلام نے کہا ہے کہ ”لولا ما جاء في هذا من الآثار لأمرت بالقضاء“۔ (اگر اس مسئلے میں یہ روایات نہ ہوتیں تو میں بھی (روزہ دار کو روزہ کی) قضا کا حکم دیتا۔) (پھر امام محمد علیہ السلام اہل مدینہ کا ایک اعتراض اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ) اہل مدینہ کہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں عمدًا اس کا قصد کرے تو وہ ناقض روزہ ہو اور عمدًا اس کا قصد نہ ہو تو پھر وہ ناقض روزہ نہ ہو؟ انھیں کہا جائے گا کہ ہاں ہے اور وہ ایک روایت ہے جسے تم نے (بھی) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو قے (خود بخود) آجائے تو اس پر قضا لازم نہیں اور اگر وہ عمدًا قے کرے تو پھر قضا لازم ہے۔ پس اس مسئلے میں اور اس سے پچھلے مسئلے میں (قياس کے مقابلہ میں) آثار ہی کی پیروی کی جانی چاہیے۔<sup>(۱۱)</sup>

زیر بحث مسئلے میں یہ بڑی واضح مثال ہے، اس لیے کہ آزوئے قیاس بھول کر کھانے پینے سے بھی روزہ ٹوٹنا چاہیے اور اس کی قضا لازم آنی چاہیے مگر خبر واحد کی رو سے ایسی صورت میں نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ قضا لازم آتی ہے۔ یہ خبر واحد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے بعض حنفی اصولیوں نے تقلیل الفتنہ یا غیر فقیہہ قرار دیا ہے۔ اگر امام محمد علیہ السلام کے ہاں حضرت ابو ہریرہ علیہ السلام غیر فقیہ ہوتے یا کسی غیر فقیہ کی خبر واحد قیاس سے معارض ہونے کی صورت میں قابل رد ہوتی تو یہاں امام محمد علیہ السلام اس روایت کو ضرور رد کر دیتے اور اس کی وجہ بھی بتا

-۱۱۰- نفس مصدر، ۱۸۰۔

-۱۱۱- الشیبانی، کتاب الحجۃ، ۱: ۳۹۲-۳۹۳۔

دیتے۔ مگر اس کے بر عکس ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ امام محمد علی اللہ نے اس خبر واحد کے معارض قیاس کو رد کیا ہے۔ اور اپنے شیخ کا بھی اس سلسلے میں یہی نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

پھر امام محمد علی اللہ نے اپنے موقف پر اہل مدینہ کی طرف سے ایک اور قیاسی اعتراض نقل کر کے اس کا جواب بھی اثر کی روشنی میں دیا ہے کہ اس مسئلے میں اور اس سے پچھلے مسئلے میں (قیاس کے مقابلہ میں) آثار ہی کی پیروی کی جائی چاہیے۔<sup>۱۱۲</sup>

۵۔ امام محمد نماز میں قہقهہ (باب الضحك فی الصلاة) میں لکھتے ہیں: ”اہل مدینہ کہتے ہیں کہ نماز میں قہقهہ لگانے سے نمازوٹ جاتی ہے کیوں کہ یہ گفتگو کی طرح ناقض صلاۃ ہے، البتہ اس سے وضو کا اعادہ لازم نہیں آتا۔ پھر آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”لولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال أهل المدينة ولكن لا قياس مع أثر وليس ينبغي ألا أن ينقاد للآثار۔“ (اگر اس مسئلے میں روایات نہ ہوتیں تو قیاس کی رو سے وہی راے ہوتی جو اہل مدینہ کی ہے، مگر روایت کی موجودگی میں قیاس نہیں ہوتا اور ایسی صورت میں صرف اور صرف یہی بات زیبا ہے کہ روایات کی پیروی کی جائے)<sup>(۱۱۳)</sup>

پھر اس کے بعد آپ نے ان روایات کو باہم نقل کیا ہے جن کے مقابلے میں آپ نے قیاس کو ترک کرنے کی بات کی ہے۔ اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ نے ایسے موقع پر کہ جہاں اخبار اور قیاس کا واضح تعارض پیدا ہو رہا ہے، راوی کے فقیہ یا غیر فقیہ ہونے کے حوالے سے کوئی قید ذکر نہیں کی، بلکہ جن روایات کو استدلال کے لیے نقل کیا ہے ان میں ایک حسن بصری علی اللہ کی اور دوسرا ابراہیم بن علی علی اللہ کی مرسل روایت ہے اور باقی میں ابن عمر علیہ السلام اور ابراہیم بن علی علیہ السلام کے آثار ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے ابن عمر علیہ السلام کا اثر نقل کیا ہے، جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک قیاس اگر اثر صحابی کے مخالف ہو تو وہاں بھی اثر کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔<sup>(۱۱۴)</sup>

## حاصل بحث

حنفی فقہاء نے حدیث بالخصوص خبر واحد کے رد و قبول کے کچھ اصول قائم کیے ہیں، جن کا بڑا حصہ مؤنسین (یعنی امام ابو حنیفہ علیہ السلام اور صاحبین) سے صراحت کے ساتھ منقول ہے، تاہم بعض اصولوں (جن میں

- ۱۱۲ - نفس مصدر، ص ۲۰۳۔

- ۱۱۳ - مزید مثالوں کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، ”خبر واحد اور قیاس“، ۹۱-۱۱۸۔

انہم موسسین سے صراحت نہیں تھی اور متاخر حنفی اصولیوں نے ان کا استخراج کیا)، کے موسسین کی طرف انتساب میں اختلاف بھی ہے۔ دیگر اہل علم بالخصوص امام شافعی عَنْ سَلَطَةٍ نے ان اصولوں پر نقد کیا ہے اور محدثین بالعموم آپ کی تقید سے متاثر ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں قیاس اور خبر واحد میں تعارض کی صورت میں صاحبین کی طرف منسوب درست نقطہ نظر یہ ہے کہ خبر واحد کو قیاس پر مطلقاً ترجیح دی جائے گی اور یہی امام ابو حنیفہ عَنْ سَلَطَةٍ کا نقطہ نظر ہے، تاہم بعد کے بعض حنفی اصولی جن میں بزدوجی اور سرخسی بھی شامل ہیں، کے نزدیک اگر خبر واحد قلیل الفقه یا غیر فقیہ راوی سے روایت ہوئی ہو تو اس کے معارض قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ البتہ اگر راوی فقیہ ہو تو پھر قیاس کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اس موضع کا آغاز عیسیٰ بن ابیان سے ہوا ہے اور جن حنفی اصولیوں نے اسے اختیار کیا ہے، وہ دراصل اس مسئلے میں عیسیٰ بن ابیان ہی سے متاثر ہوئے ہیں۔

